# رشید احمد صدیقی کا خاکہ ’’ذاکر صاحب‘‘

ڈاکٹر محمد رحمان*

**Abstract:**

Among all his friends,about whom Rahseed Ahmad siddiqui has written,"Zakir sb" holds an eminent position.He has written almost 16 articles about "zakir sb".When Rahseed Ahmad siddiqui got admission in M.A.O college at that time Zakir sb was already a student of 2nd year in the same college.His companionship with Rahseed Ahmad siddiqui lasted from 1915 to 1969. Rahseed Ahmad siddiqui highlighted those espects of his personality which were unknown to his own friends.That is why most of his Essays are written on Zakir sb holds the status of touchstone.in this Article the Scholar Expresses these facts.

رشید احمد صدیقی نے اپنے جن دوستوں اور رفقائے کار کے خاکے لکھے ان میں ذاکر صاحب کے بارے میں لکھے گئے خاکے اپنی مثال آپ ہیں۔ڈاکٹر ذاکر حسین رشید صاحب کے دوست ہی نہیں اور بھی بہت کچھ تھے ۔یہی وجہ ہے کہ رشید صاحب کو جب بھی موقع ملا انہوں نے اپنے دوست کے بارے میں اپنے بہترین خیالات کا اظہار کیا۔ذاکر صاحب کے بارے میں جو خاکے لکھے گئے ہیں وہ تفصیلاً دیکھنے کا حق رکھتے ہیں۔ذیل میں میں ذاکر صاحب کے بارے میں لکھے گئے خاکوں کی تفصیل دی گئی ہے؛

۱۔مرشد ۲۔ذاکر صاحب ۳۔ہمارے ذاکر صاحب،علی گڑھ اور ہندوستان

۴۔ذاکر صاحب ۵۔یادِ یارِ مہربان آید ہمی ۶۔موجۂ گل سے چراغاں ہے گزرگاہِ خیال

* شعبہ اُردو، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ۔

۷۔ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے ۸۔می گزرد ۹۔طوفان تکلم
۱۰۔خلطِ مبحث ۱۱۔سگ گزیدہ ۱۲۔مثلث
۱۳۔اردو طنزیات و مضحکات ۱۴۔اصغر کی شادی ۱۵۔نئے طلباء کا خیر مقدم
۱۶۔جامعہ کی دوسری جوبلی

اس فہرست سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رشید صاحب کو ذاکر صاحب سے کس قدر محبت تھی۔ ذاکر صاحب سے ان کا ساتھ ۱۹۱۵ء سے ذاکر صاحب کی وفات (۱۹۶۹ء) تک رہا۔ جب رشید صاحب نے ایم اے او کالج میں داخلہ لیا تو اس وقت ذاکر صاحب پہلے سے کالج میں پڑھ رہے تھے اور سالِ دوم میں تھے۔ ذاکر صاحب اپنی قابلیت کے بل بوتے پر پہلے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے وائس چانسلر بنے۔ بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بھی وائس چانسلر بنے۔ ان کی خوش قسمتی کا سفر جاری رہا اور بعد میں وہ نائب صدر اور پھر صدرِ جمہوریہ انڈیا بنے اور اسی عہدے پر ان کا انتقال ہوا۔

ذاکر صاحب پر پہلا مضمون رشید صاحب نے مرشد کے نام سے ۱۹۳۰ء میں لکھا۔ ۱۹۴۶ء میں ذاکر صاحب کے نام سے ایک اور مضمون لکھا جب ذاکر صاحب ڈاکٹر بھی تھے، وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ، ملک کے عظیم رہنما اور ایک قابل احترام رہنما بھی، لیکن رشید صاحب نے اپنے مضامین میں نہ تو اسلوب کے اعتبار سے اور نہ واقعات کے تعلق سے ذاکر صاحب کی ان حیثیتوں کو مدنظر رکھا۔ وہ انہیں صرف ذاکر صاحب کے روپ میں پیش کرتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ذاکر صاحب کی شخصیت ہر اس منصب سے بلند و برتر ہے جس پر ذاکر صاحب فائز رہے۔ بلکہ بقول رشید صاحب؛

> ''وہ ہر منصب پر فائز ہونے سے پہلے اس پر فائز ہو چکے تھے، یعنی اس عہدے کے لیے جیسے اخلاقی، علمی اور تہذیبی اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے اسے مدتوں کی ریاضت سے اپنا چکے تھے۔''(۱)

اس میں شک نہیں کہ رشید صاحب نے انہیں برسوں دیکھا ہے اور بہت قریب سے دیکھا ہے۔ یوں تو ذاکر صاحب کے بارے میں کتنوں نے لکھا اور اور لکھیں گے جن میں ان کی ذات اور شخصیت کے مختلف پہلو نظر آئیں گے۔ کوئی ان کا سراپا پیش کرے گا، کوئی سیرت کی طرف اشارہ کریگا، لیکن وہ باتیں جو رشید صاحب نے روزمرہ کے انداز میں لکھ دیں ان میں ذاکر صاحب، ذاکر صاحب نظر آتے ہیں۔ ان کو شیروانی میں ملبوس، ایک ایک بٹن لگاتے، اپنی انگلیوں سے اپنی گرد جھاڑتے، دوسروں کی گرد جھاڑتے، ان کے بٹن لگاتے بہتوں نے دیکھا ہوگا۔ محاورہ ہے کہ جب کوئی اچھی باتیں کرتا ہے تو کہتے ہیں گویا منہ سے پھول جھڑتے ہیں لیکن یہ گل فشانی ذاکر صاحب

کے یہاں فی الواقع دیکھی جا سکتی تھی۔ لوگوں کو وہ جلسوں میں تقریر کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ جلسوں کا اہتمام کرتے دکھائی دیتے ہوں گے۔ ان کو ڈرائنگ روم میں باتیں کرتے ہوئے دیکھا گیا ہوگا۔ انہیں لوگوں نے جہاں کہیں بھی دیکھا ہوگا۔ شیروانی میں ملبوس دیکھا البتہ رشید صاحب نے انہیں کرتہ پاجامہ پہنے بغیر شیروانی کے دیکھا۔ یہی وجہ سے کہ وہ رشید صاحب کے مضامین میں ایک بے تکلف ذاکر صاحب نظر آتے ہیں۔ جو کبھی مونگ پھلی کھا رہے ہیں، موٹھ اور مٹھا س سے شغل کر رہے ہیں۔ کبھی کابلی چنے خرید رہے ہیں تو کبھی ہاتھرس کے اسٹیشن سے ہاتھرس کا چاقو لے رہے ہیں۔ انہوں نے رشید صاحب کے ساتھ سفر بھی کیا ہے اور شاپنگ بھی کی ہے۔ سفر ایک ایسا موقع ہوتا ہے جس میں ہم سفر شخصیت کی تمام گرہیں کھل جاتی ہیں اور آدمی اپنے اصلی روپ میں نظر آتا ہے ورنہ ویسے تو عام طور پر لوگ الف لیلیٰ کے پرندے کا لباس پہنے ہوتے ہیں۔ اسی لیے کسی دوست نے ان سے شکایت کی،'' آپ ذاکر صاحب کے بارے میں کیا اناپ شناپ لکھ ڈالتے ہیں۔ ان کے وقار کا تو خیال کیجئے۔ لوگ ان کے بارے میں کیا خیال کریں گے۔ آپ کی تفریح ہوتی ہے۔ لیکن ذاکر صاحب کی رسوائی ہوتی ہے۔'' یہ محترم دوست ذاکر صاحب کے عقیدت مند ہونگے۔ ان سے محبت اور وہ شخصیت کے وقار کو اسی طرح سمجھتے ہوں گے۔ جس طرح کچھ لوگ لباس اور بول چال ہی کو تہذیب سمجھتے ہیں۔ رشید صاحب نے اس دوست کا احترام کیا لیکن اس کا مشورہ نہیں مانا۔ یہی وجہ سے کہ ذاکر صاحب کے بارے میں جو کچھ رشید صاحب نے لکھا وہ شخصیت نگاری کا اہم باب ہے۔ انہوں نے روزمرّہ کے انداز میں ذاکر صاحب کو لا کر کھڑا کر دیا جہاں ان کا جمال بھی دکھائی دیتا ہے اور جلال بھی۔ ذاکر صاحب سے متعلق رشید صاحب کے مضامین پڑھ کر احساس ہوتا ہے گویا ہم ذاکر صاحب کے گھر میں دروازہ کھٹکھٹائے بغیر داخل ہوگئے ہوں۔ ذاکر صاحب چاہے کسی بھی عہدے پر ہوں۔ جامعہ کے شیخ الجامعہ ہوں، علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوں، بہار کے گورنر ہوں، نائب صدر جمہوریہ ہوں لیکن ان کے ساتھ ایک ہی صفت لگی ہوئی ہے اور وہ ہے ''ذاکر صاحب''۔ عام طور پر لوگ مناصب کے ساتھ بدل جاتے ہیں گویا اپنے آپ کو منصب میں ڈھال لیتے ہیں لیکن ذاکر صاحب نے ان سب منصوبوں کو اپنی شخصیت میں سمو لیا ہے۔ اس لیے کہ ان مناسب نے ذاکر صاحب کے پرستاروں میں ہر طرح کے لوگ تھے۔ جن میں جواہر لعل نہرو، نواب رحمت اللہ خان شیروانی، ڈاکٹر سید عابد حسن، پروفیسر مجیب اور خود رشید صاحب شامل تھے۔

ذاکر صاحب گفتار کے ہی نہیں کردار کے بھی غازی تھے۔ محبت سے باتیں کرنا ان کی عادت تھی۔ ان کی عادات کے یہ پہلو رشید صاحب نے جس خوبصورتی سے پیش کیے ان کے لیے فنکار کے قلم اور مصور کے برش کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ دونوں رشید صاحب کے پاس تھے۔ انہوں نے ان کی مدد سے تاج محل کا نقشہ مرتب کیے بغیر

تاج محل کی تعمیر کی ہے۔(۲)

رشید صاحب کے ہاں تحریر کی لذت کا یہ عالم ہے کہ ذاکر صاحب پر لکھے گئے مضامین پڑھتے ہوئے یہ احساس ہوتاہیکہ یہ بات تو ہمارے دل میں بھی تھی لیکن رشید صاحب نے اپنے جادو بیاں قلم سے لکھ دی۔ رشید صاحب کو دل کی بات قلم تک لانے میں کمال حاصل ہے، چنانچہ لکھتے ہیں؛

''ذاکر صاحب کی رحلت کے بعد اندازہ ہوا کہ کس کس سطح اور طبقے کے کتنے بے شمار لوگ تھے جو ان سے محبت اور ان کا احترام اس بنا پر کرتے تھے کہ ایسا کرنے سے وہ خود اپنے کو شایانِ شان اور قابل احترام سمجھنے لگتے تھے۔''(۳)

ذاکر صاحب کی شخصیت میں کچھ ایسا جادو تھا کہ جو بھی ان کے ساتھ کام کرتا حیران رہ جاتا کہ وہ کس قدر سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ذاکر صاحب خود اپنے ہاتھوں اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔انہوں نے بڑے بڑے کام نہیں کیے بلکہ چھوٹے چھوٹے کام خود بھی کیے اور دوسروں کو بھی آمادہ کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہی چھوٹے چھوٹے کام ایک دن بڑھ کر بڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ شہرت،عزت اور بڑائی کے پیچھے نہیں بھاگے۔ بلکہ اس کے برخلاف شہرت،عزت،اور بڑائی ان کے پیچھے بھاگتی رہی۔ذاکر صاحب کی شخصیت،کردار اور مزاج کے یہ تمام پہلو رشید صاحب نے اپنی تحریروں میں اس طرح سمیٹ لیے ہیں کہ ہمیں اس میں ذاکر صاحب کی ذہانت،علمیت، ذکاوت اور بذلہ سنجی غرض سب کچھ نظر آتا ہے۔ذاکر صاحب کو بہت سے سوانح نگار ملے ہیں اور ملیں گے لیکن وہ رشید صاحب کی نظر اور ان کا قلم کہاں سے لائیں گے۔ وہ بات میں بات پیدا کرتے ہیں،لفظوں سے بے تکلفی کے ساتھ کھیلتے ہیں اور الفاظ ان کے ہاتھوں میں موم بن جاتے ہیں۔ پھر رشید صاحب ان سے بہت مجسّمے بناتے ہیں ایک ہی شخصیت کے کتنے بہت سے مجسمے، اور اس میں حیرت کی کیا بات ہے کہ ذاکر صاحب کی شخصیت بھی تو رنگا رنگ تھی۔(۴) رشید صاحب لکھتے ہیں کہ ذاکر صاحب نے اپنی سرگزشت نہیں لکھی لیکن اگر وہ لکھتے بھی تو اپنے بجائے دوسروں کے بارے میں لکھتے،تہذیب وشائستگی کے متعلق لکھتے،وہ پاکیزگی اور لطافت کے ذکر کرتے جو چاہے جسم کی ہو یا روح کی۔انسانی اقدار کے دفتر کے دفتر لکھتے۔شعروادب کی عبارت واشارات کی وضاحت کرتے یا حکماء اور ائمہ کے اقوال کو دہراتے کیوں کہ ذاکر صاحب کی زندگی انہی چیزوں سے عبارت تھی۔ وہ یہ تمام اوصاف تنہا رکھتے تھے۔

ذاکر صاحب سے رشید احمد صدیقی کی وابستگی ایک حد تک جذباتی بھی تھی۔ان کے لیے ذاکر صاحب ہمیشہ سے آئیڈیل رہے ہیں۔اس حد تک کہ وہ ذاکر صاحب کی شخصیت کی روشنی میں ہر شخص کو جاننے اور ہر قدر کو

معین کرتے ہیں۔ جیسا کہ لکھتے ہیں؛

> ''میں زندگی کی اچھی اور بڑی قدروں کی تعبیر انسان کے کرداروں سے نہیں احباب بالخصوص ذاکر صاحب کے اطوار سے کرتا ہوں۔ اور جب اور جہاں کہیں اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ تو اپنے آپ کو داد دیتا ہوں کہ میں بڑی بات اور بڑے آدمی کو پہنچانتا ہوں۔''(۵)

ذاکر صاحب سے رشید صاحب کی وابستگی اگر چہ جذباتی تھی لیکن کوری نہ تھی کیونکہ وہ ہمہ اوصاف اور متنوع شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے ملک میں اعلیٰ ترین عہدے اور اعزازات پا کر بڑی خدمات انجام دیں۔ یہ امر اتنی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ کسی بھی شخصیت کو اگر یہ عہدہ اور اعزاز حاصل ہوتو وہ یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ انسان کا اصل جوہر تو یہ ہے کہ خواہ وہ کہیں اور کسی موقف میں ہو اپنی عالی ظرفی کا مظاہرہ کرے۔ ذاکر صاحب نے ایسا کیا ہے اور رشید صاحب اسی لیے ان کے گرویدہ ہیں۔ ذاکر صاحب کے خاکوں میں رشید صدیقی نے ذاکر صاحب کی مکمل تصویر پیش کی ہے اور ان کی شخصیت کا کم وبیش ہر پہلو ہو بہو اُجاگر کیا ہے۔ ذاکر صاحب کی ادبی خدمات خواہ کسی تعلیمی اسکیم کی رپورٹ ہو یا کسی کانفرنس میں پڑھا جانے والا مقالہ، ان کا سفر خواہ بغرض علاج دہلی سے بمبئی کا ہو یا لندن کا، خلوت، جلوت، سفر، خضر گویا ذاکر صاحب کی ہر عادات اور ہر کیفیت کو رشید صاحب نے صفحۂ قرطاس پر ابھارا ہے۔ ذاکر صاحب کی شوخی، ان کی جرأت مندی و بے باکی اور عالی ظرفی غرض ذاکر صاحب کو انہوں نے کس زاویے سے نہیں دیکھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ خود ذاکر صاحب کو بھی اپنے ان عادات و اطوار کا صحیح علم نہیں ہوگا اور نہ یہ واقعات یاد ہوں گے جو رشید صاحب نے موتیوں کی طرح اس خاکے کی مالا میں پر دیئے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ الغرض انہوں نے مجموعی طور پر ذاکر صاحب کی شخصیت کو ایسے دلاویز انداز میں پیش کیا ہے کہ وہ ایک عظیم انسان کی صورت میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ (۶)

ذاکر صاحب کی شخصیت اس قدر بھر پور تھی مگر دیگر لوگوں نے بھی ان کے بارے میں لکھا جیسا کہ خواجہ غلام السیدین لکھتے ہیں؛

> ''ان کی انسانیت اس قدر وسیع ہے کہ اس میں چھوٹے اور بڑے کا کوئی امتیاز نہیں خواہ وہ جامعہ کے کسی بڑھئی سے یا معمار سے گفتگو کر رہے ہوں، ہر موقع پر ان کی شخصیت میں ایک مخصوص سادگی اور خلوص، معقولیت اور خود اعتمادی اور شرافت کا جلوہ نظر آتا ہے۔ جو مخاطب کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتا۔''(۷)

خواجہ غلام السیدین نے وزنی اور گھمبیر انداز اختیار کیا ہے لیکن رشید صاحب ے جس سادگی وسلامت اور

عام فہم انداز میں ذاکر صاحب کی شخصیت کو دکھایا ہے وہ کہیں زیادہ جاذب توجہ اور جاذب نظر ہو جاتی ہے اور اس قدر واضح اور نمایاں کہ اس کے سمجھنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی۔ اگر چہ خواجہ غلام السیدین اور رشید صدیقی کا مقصد ایک ہے لیکن دونوں کے طرزِ نگارش میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ خواجہ صاحب نے ذاکر صاحب کو فرشتہ قرار دینے کی کوشش کی ہے جبکہ رشید صاحب نے انہیں ایک انسان ہی رہنے دیا ہے۔ یہ اپنے اپنے نقطہ نظر کا فرق ہے۔ اگر چہ اس میں محنت لگتی ہے لیکن فرشتہ سے انسان بننا بہتر ہے۔ خواجہ صاحب کا نقطہ نظر ''آندھی میں چراغ'' کے تمام مضامین میں ایک سا ہی ہے۔ وہ شخصیات سے نیازمندانہ سلوک کرتے ہیں اور بعض اوقات شخصیات کے ساتھ غیر ضروری تعلق خاطر ظاہر کرتے ہیں۔ بے تعلقی کے فقدان کے باعث ان کے ہاں توازن برقرار نہیں رہ سکا ہے جبکہ رشید صاحب کے ہاں یہ بات نہیں ہے۔ ان کے ہاں تعلق خاطر اور بے تعلقی دونوں ہیں۔ ذاکر صاحب سے زیادہ محبت انہوں نے شاید ہی کسی شخص سے کی ہو لیکن وہ ذاکر صاحب سے بے تعلقی برتنے سے گریز نہیں کرتے۔ وہ اپنے ممدوحین کی خامیوں کو بھی یوں اجاگر کرتے ہیں کہ ان سے ہمدردی محسوس ہوتی ہے۔ ذاکر صاحب کے خاکوں میں رشید صاحب کا ایک خاص اسلوب ہے جبکہ خواجہ غلام السیدین کا اپنا کوئی اسلوب نہیں بلکہ وہ اپنے مافی الضمیر کو عام انداز میں بیان کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی بات زیادہ موثر نہیں ہوتی اور قاری اس پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔

ذاکر صاحب نے جامعہ ملیہ اسلامیہ دلّی کی نشو ونما میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔ جامعہ کی تاریخ اور ذاکر صاحب کے بارے میں تھوڑا بہت جاننے والا بھی اس سے آگاہ ہے۔ کسی خاص مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اداروں کا قیام اور ممالک میں نہیں خود ہمارے ہاں بھی ایک عام سی بات ہے۔ جامعہ ملیہ میں صرف اس نقطہ نظر سے کہ انہوں نے حقیقی معنوں میں جامعہ کی روح کا کام کیا ہے اور اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ جامعہ کی ترقی میں حصّہ لیا ہے۔ ذاکر صاحب نہ صرف نظریاتی بلکہ عملی طور پر جامعہ کے سردار رہے اور مخدوم بھی۔

رشید صدیقی کے خاکوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی شخص کی زندگی کے اہم اور نمایاں واقعات کو بے حد کم پیش کرتے ہیں۔ وہ ایسے واقعات کا انتخاب کرتے ہیں جو عام لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں بلکہ بیشتر خواص کی نظروں سے بھی۔ وہ عموماً کسی شخصیت کی زندگی کے انہی واقعات کو لیتے ہیں جن سے ان کا سابقہ رہا ہو یا خود ان کی ذاتی مطالعہ میں آئے ہیں۔ وہ معمولی واقعات میں کسی شخص کی عظمت کے پہلو، اس کے عادات واطوار، خصائل اور خصوصیات ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ انہوں نے جتنے بھی خاکے لکھے ہیں ان میں سے چند ایک کے علاوہ سب میں یہ بات پائی جاتی ہے۔

رشید صاحب ذاکر صاحب کی زندگی کے ایسے واقعات منظر عام پر لائے ہیں کہ ان سے خود ان کی اپنی زندگی کے بھی کئی پہلو منظر عام پر آجاتے ہیں۔ دونوں کے مزاج کی بے ساختگی، حاضر جوابی اور ہاسٹل کی زندگی کی خوش رنگی کی جھلکیاں۔ رشید صدیقی ذاکر صاحب کی سیرت کے ان پہلوؤں کو واضح کرنے کے لیے بڑی بڑی محفلوں کے بڑے بڑے اور اہم واقعات پیش کر سکتے تھے۔ انہوں نے ذاکر صاحب کے خاکوں میں ایسے واقعات بھی پیش کیے ہیں جس سے ذاکر صاحب کی جیتی جاگتی، چلتی پھرتی اور دلکش جاذب تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ ذاکر صاحب زندگی کے ہر میدان میں ممتاز اور منفرد کردار کے حامل رہے چاہے تحریر ہو یا تقریر، اردو میں اگر چہ وہ نامی گرامی شخصیت نہ رہے لیکن انگریزی میں انہوں نے غیر معمولی صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ یہاں تک کہ انگریز بھی ان کی حاضر جوابی کے مداح رہے ہیں۔ رشید صاحب نے ان کی تحریر و تقریر کی باریک بینی کا خاص ذکر کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں؛

> ''ذاکر صاحب کی تحریر و تقریر دونوں میں ایک خاص چیز ملتی ہے جو کہیں اور کم دیکھی جا سکتی ہے ماہرینِ طبیعیات کا مدتوں خیال رہا کہ روشنی بخطِ مستقیم چلتی ہے لیکن بعد کی تحقیقات یہ ہیں کہ اس کی رفتار بخطِ مستقیم نہیں بلکہ جست و خیز کے ساتھ ہوتی ہے۔ ذاکر صاحب کی تحریر و تقریر دونوں میں یہ بات ملتی ہے۔ وہ مروجہ طریقوں سے کام نہیں لیتے بلکہ شروع سے آخر تک قاری یا سامع کی توجہ کو اپنے الفاظ اور خیالات کی تازگی اور توانائی سے تب و تاب دیتے رہتے ہیں اور اس کے تصورات کو نہ تھکنے دیتے ہیں نہ دم لینے دیتے ہیں۔''(۸)

ذاکر صاحب کے بارے میں اس قدر خوبصورت اسلوب میں شاید ہی کسی نے کہا ہوگا۔ ذاکر صاحب کی تقریر و تحریر سے پہاڑ کی فضا یاد آتی ہے۔ اس فضا میں ایک دھیما پن، ایک خنکی اور سرسبزی و شادابی ہوتی ہے جو ذاکر صاحب کا طرّہ امتیاز ہے۔ انہوں نے ذاکر صاحب کی شخصیت کو اپنی بہترین مرقع نگاری سے زندۂ جاوید بنا دیا ہے۔ آگے چل کر ذاکر صاحب کی شخصیت ترقی کرتی گئی۔ یہ اور بات ہے کہ دوسروں کو ذاکر صاحب میں خوبیاں نظر نہ آئیں جو رشید صاحب کو نظر آئیں۔ رشید صاحب نے ذاکر صاحب کے بارے میں سات مضامین لکھے۔ ایک مضمون ایسا ہے جو انہوں نے ذاکر صاحب کے انتقال کے بعد لکھا اور اس میں رشید صاحب نے اپنی شخصیت کو بھی ظاہر کیا ہے۔ ذاکر صاحب سے انہیں بے پناہ عقیدت اور شدید وابستگی تھی۔ انہیں خصوصیات کا اس مضمون میں مکمل اظہار ہوتا ہے۔ ذاکر صاحب کی زندگی کا ہر واقعہ، اپنی دوستی کا ہر لمحہ، ہر ایک بات جیسے ان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے برابر سامنے بٹھایا ہو۔ رشید صاحب کو ذاکر صاحب کی زندگی کا ہر واقعہ یاد آتا ہے۔ وہ اپنی

یادوں کو سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن کوئی کہاں تک ان یادوں کو سمیٹے، اکٹھا کرے۔ کہیں ذاکر صاحب مصروف گفتگو ہیں تو کہیں یوں ہی بیٹھے ہوئے ہیں۔ کہیں بے تکلف دوستوں کی محفل میں تو کہیں سرکاری حیثیت سے کسی تقریب میں تشریف فرما ہیں۔ کہیں بیمار تو کہیں چاک و چوبند۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو؛

> ''ذاکر صاحب حسب معمول سپید کھدر کے نہایت صاف ستھرے قطعہ لباس میں باغ پر نظر ڈالتے ہوئے، مضبوط قدموں سے، نہ جلد، نہ آہستہ آہستہ، بالکل اسی طرح جیسے ہمیشہ چلتے تھے۔ آتے ہوئے نظر آتے، کتنا مردانہ، دل کش اور شریفانہ سراپا تھا اور کیسی امید اور ہمدمی کی فضا اور دعوت بکھیرتے ہوئے آتے تھے۔ ان میں انسانیت، علم، ذہن، فطرت سب کا حسن اضافی معلوم ہونے لگتے تھے۔ یوں بھی انسان سے زیادہ خوبصورت کون ہوا ہے۔''(۹)

رشید صاحب نے اپنے دوستوں، ہمدردوں اور اہل علی گڑھ کے رنگ دیکھے لیکن روپ صرف ذاکر صاحب میں نظر آیا۔ اسی طرح جلال کہیں اور تھا لیکن جمال صرف ذاکر صاحب میں نظر آیا۔ ان کا باطن ذاکر صاحب کی طرح شفاف تھا۔

رشید صدیقی پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ذاکر صاحب کو فرشتہ بنا کر پیش کر دیا ہے۔(۱۰) لیکن ذاکر صاحب تھے ہی اس قابل کہ ان کو پیش کر دیا جائے اور فرشتہ سے انسان بننا بہرحال بہتر ہے اس لیے رشید صاحب نے ذاکر صاحب کو صرف انسان کے روپ میں دکھایا ہے۔ رشید صاحب کا ڈرامائی اسلوب اور ہلکی ہلکی شوخ بیانی ذاکر صاحب کو ہمارے سامنے لا کر کھڑا کر دیتی ہے اور وہ ہمیں انسان کے روپ میں نظر آتے ہیں۔ ذاکر صاحب اپنے زمانہ طالب علمی میں ایک بہترین مقرّر تھے اور ہمیشہ رہے۔ وہ اپنے مخالفین کو چاروں شانے چت کر دیتے تھے۔ وہ دھن کے پکے، نہایت اعلیٰ پایہ کی عقل و فہم کے مالک، مقصد اور لگن، فکر کی بلندی، قابل رشک ذہانت، ان کی بذلہ سنجی، قلب کی وسعت، کردار کی پاکیزگی، اتنی اور ایسی خوبیاں ہوں تو انسان ذاکر صاحب بنتا ہے۔ ذاکر صاحب کے مقولات کو بھی رشید صاحب اولیت دیتے ہیں۔ ان کا ایک مقولہ ملاحظہ ہو؛

> ''مرشد کا مقولہ ہے اور میرا تجربہ کہ اگر انسان کو بدترین دشمن کی تلاش ہو تو اس کو اپنے عزیزوں میں مل جائیں گے اور بہترین دوست کی ضرورت ہو تو غیروں کا جائزہ لینا چاہئے۔''(۱۱)

اردو ادب میں خاکہ نگاری کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ذاکر صاحب کے بارے میں رشید صاحب کے لکھے ہوئے مضامین خاکہ نگاری میں اپنی مثال آپ ہیں۔ رشید صاحب نے خاکہ نگاری

کے معیار کو اس قدر بلند کر دیا ہے کہ اب کوئی دوسرے رشید احمد صدیقی ہی اس خوبصورت اسلوب سے آگے بڑھ پائیں گے۔ خاکہ نگاری کو انہوں نے دلچسپ مشغلہ بنا دیا لیکن ساتھ ہی یہ قید بھی لگا دی کہ؛

> ''آپ کا کسی سے خوش ہونا یا ناخوش ہونا آپ کے لئے جتنا آسان ہے اتنا ہی مشکل یہ ہے کہ آپ اس شخص کو میری پسند یا ناپسند کا موجب بنا دیں۔''(۱۲)

رشید احمد صدیقی کے خاکوں کی اہم خصوصیت یہی ہے کہ انہوں نے شخصیت کے مقام اور مرتبے سے متاثر ہوئے بغیر صرف اپنی ذاتی وابستگی اور تعلقات کو پیش نظر رکھا ہے۔ انہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر اور پنڈت جواہر لعل نہرو کے خاکے بھی تحریر کیے اور کالج کے چپڑاسی کندن کا خاکہ بھی لکھا۔ ذاکر صاحب پر لکھے گئے خاکے ان سے رشید صدیقی کے ذاتی تعلق کے آئینہ دار ہیں۔ اسی شخصی وابستگی اور ربط ضبط کی وجہ سے رشید صاحب ان افراد کے روز وشب سے آگاہ رہے ہیں۔ چنانچہ نامور شخصیات کے ایسے حالات جو عام طور پر دستیاب نہیں ہو سکتے اور ان کا سوانح نگار شاید ان واقعات تک پہنچ پائے رشید صاحب ضبطِ تحریر میں لاتے ہیں۔ یہ واقعات اُن افراد کی عوامی زندگی کو سمجھنے اور ان کے ذہن وفکر کا جائزہ لینے کے لیے خام مواد کا کام دیتے ہیں۔ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور آنے جانے کی باتیں رشید صاحب کے خاکوں میں مل جاتی ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جس شخص کا خاکہ پڑھا جا رہا ہے وہ شخص سامنے روزمرہ کے معمولات سرانجام دے رہا ہے یا قاری اس شخص کی ذاتی زندگی میں گھس گیا ہے۔ ایک اور بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ رشید صاحب تصوّف، فلسفہ اور مذہب کے موضوعات کا بھی عام فہم اور سادہ انداز میں تذکرہ کر دیتے ہیں۔

رشید صاحب نے ذاکر صاحب کو اپنے مضامین میں اسی حیثیت سے پیش کیا جو ان کے سامنے آئی۔ ذاکر صاحب ایک غیر معمولی قابلیت کے حامل انسان تھے۔ ان کی شخصیت زمانی قیود سے بالاتر تھی۔ ان کی شخصیت ہر اس عہدے سے اونچی رہی جس پر وہ فائز رہے۔ جیسے ذاکر صاحب ان عہدوں کے لیے نہیں بلکہ یہ عہدے ذاکر صاحب کے لیے بنائے گئے ہوں اور ذاکر صاحب اگر ان میں کسی عہدے پر مامور نہ ہوتے تب بھی وہ ان سے اونچے ہوتے کیوں کہ وہ ذاکر صاحب جو تھے۔ رشید صاحب نے ذاکر صاحب کی ہمہ اوصاف اور متنوع شخصیت کے ہر پہلو کو اجاگر کیا ہے۔ ذاکر صاحب کی شوخی، جراتمندی، بے باکی اور عالی ظرفی غرض ہر خصوصیت ان مضامین میں موجود ہے۔ رشید صاحب نے ان کی شخصیت پر سات مضامین لکھنے کے علاوہ تقریباً اتنے ہی دوسرے مضامین بھی ان کا تذکرہ کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں ذاکر صاحب سے کس قدر محبت تھی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی ترقی میں ذاکر صاحب نے اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔ انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ جامعہ کی ترقی میں

حصّہ لیا اور ہر وقت جامعہ کی بہبود اور بھلائی کے لیے کوشاں رہے۔ رشید صاحب نے جامعہ کے لیے ذاکر صاحب کے فکر و تردّد کا کئی موقعوں پر ذکر کیا ہے۔ جامعہ کے نکھار کے لیے جہاں بھی کوئی اچھی بات مل جاتی، ذاکر صاحب اس کو حاصل کر کے خود سیکھتے اور جامعہ میں اس کو رواج دیتے۔

## حوالہ جات


۱۔ رشید احمد صدیقی،''مرشد ذاکر صاحب ہمارے ذاکر صاحب''مرتبہ لطیف الزمان، مہر الٰہی ندیم، مکتبہ دانیال کراچی، ۱۹۹۱ء، ص۴۰

۲۔ اطہر پرویز، ڈاکٹر،''ہمارے رشید صاحب''مشمولہ''رشید احمد صدیقی آثار واقدار'' مرتبہ اصغر عباس، شعبہ اردو، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۱۹۸۴ء، ص۴۰

۳۔ رشید احمد صدیقی،''کتاب مذکور''، ص۸۰

۴۔ بشیر گلزار پوری،''رشید احمد صدیقی کا اسلوب''، گلشن پبلشرز، سری نگر، ۱۹۹۸ء، ص۶۰

۵۔ رشید احمد صدیقی، کتاب مذکور، ص۶۵

۶۔ نظیر صدیقی،''ادبی جائزے''، الوقار لاہور، باراوّل ۱۹۹۷ء، ص۸۹

۷۔ غلام السیدین، خواجہ،''آندھی میں چراغ''، بحوالہ''رشید احمد صدیقی شخصیت اور فن'' از سلیمان اطہر جاوید''، نیشنل بک ڈپو حیدر آباد (انڈیا)، بار دوم ۱۹۷۶ء، ص۲۹۶

۸۔ رشید احمد صدیقی، کتاب مذکور، ص۸۷

۹۔ ایضاً ص۷۰

۱۰۔ سلیمان اطہر جاوید، کتاب مذکور، ص۱۲

۱۱۔ رشید احمد صدیقی،''میزان نثر جلد دوم''، مرتبہ لطیف الزمان، مہر الٰہی ندیم، مکتبہ دانیال، کراچی، دسمبر ۱۹۹۹ء، ص۲۶۸

۱۲۔ ''گنج ہائے گراں مایہ''، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص۳